بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

افسوس ہی برہان کی گذشتہ اشاعت میں مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی کے قلم سے "اسلامی تمدن" کے زیر عنوان جو مقالہ شائع ہوا تھا۔ ابھی مولانا اس کی پہلی قسط ہی لکھنے پائے تھے کہ اسیر فرنگ ہو گئے اور چونکہ اس مرتبہ نسبت سابق خط و کتابت اور ملاقاتوں پر پابندیاں زیادہ شدید ہیں چنانچہ موصوف جس دن سے ہم سے رخصت ہوئے ہیں آج تک نہ ان کا کوئی خط ہمیں موصول ہوا اور نہ ہمارا کوئی خط ان تک پہنچ سکا ہے۔ اس بنا پر مجبوراً اب سلسلہ کی اشاعت کو روکنا پڑ رہا ہے اور نہیں کہا جا سکتا کہ ہم پھر کب اس مفید مضمون کا سلسلہ دوبارہ شروع کر سکیں گے۔

دنیا کے دوسرے ترقی یافتہ ملکوں کے مقابلہ میں اول تو ہندوستان میں لکھے پڑھے لوگوں کا فی صدی تناسب ہی کتنا ہے اور تھوڑے بہت جو خواندہ ہیں بھی ان میں اعلیٰ تعلیم یافتہ کتنے ہیں؟ پھر جو لوگ اعلیٰ تعلیم یافتہ کہلاتے ہیں اگر ان میں ایسے لوگوں کا جائزہ لیا جائے جو خالص علمی ذوق اور مطالعہ کا شوق رکھتے ہیں تو آپ کو نتیجہ بہت ہی مایوس کن نظر آئیگا۔ ورنہ عام طور پر ہوتا یہی ہے کہ جس شخص نے اعلیٰ ڈگریاں حاصل کر کے آئندہ زندگی کے لئے کوئی راہ اختیار کر لی ہے اس کی ساری علمیت اور قابلیت اسی کیلئے وقف رہتی ہے۔ اب اس کو اس کی ضرورت نہیں ہوتی کہ وہ اپنے اوقات کا ایک قلیل حصہ اپنے ملک کے سنجیدہ اور ٹھوس علمی لٹریچر کے مطالعہ کیلئے بھی وقف کر دے۔ انتہا یہ ہے کہ یونیورسٹیوں اور کالجوں کے وہ پروفیسر جو بڑی بڑی تنخواہیں پاتے ہیں اور جن کی زندگیاں خالص علم کی خدمت کے لئے وقف ہونی چاہئے تھیں ان میں سے اکثر کا شب و روز اسی طرح بسر ہوتا ہے کہ وقت مقررہ پر کلاس روم میں گئے اور اپنی یادداشتوں کی مدد سے جو کچھ انھیں پڑھانا ہے وہ پڑھا یا۔ اس کے بعد ان کو نہ علمی مطالعہ سے کوئی واسطہ اور نہ اپنے ہی مضمون پر تحقیق کرنے سے سروکار۔ تعلیم و تدریس کے گھنٹوں کے علاوہ ان کے تمام اوقات دوست احباب کی ملاقاتوں پارٹیوں خوش گپیوں اور تفریحات کے لئے وقف رہتے ہیں۔ آپ کو ہندوستان میں کتنے ہی پروفیسر ملیں گے جو بڑی بڑی نامور یونیورسٹیوں میں مختلف مضامین کے استاذ

ہیں مگر ان میں جب کبھی اپنے تو سن قلم کی روانی دکھانے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے لئے وہ ہمیشہ "افسانہ نگاری" یا "نظم گوئی" کا میدان تلاش کرتے ہیں۔ جب خود تعلیمی اداروں کے ذمہ دار حضرات کا یہ حال ہے تو پھر آپ ان لوگوں سے علمی ذوق کی کیا توقع کر سکتے ہیں جو بڑے بڑے سرکاری عہدوں پر فائز ہیں کہ ان غریبوں کو دفتری کام اور پھر کلب کی مصروفیتوں سے اتنی فرصت ہی کہاں ہے کہ وہ علمی کتابوں کا روزمرہ باقاعدہ مطالعہ کریں اور سنجیدہ لٹریچر کو پڑھ کر اپنے ذوق کو اس کی اصلی غذا پہنچاتے رہیں۔

جہاں تک علمی ذوق کے فقدان کا تعلق ہے۔ ہمارا قدیم تعلیم یافتہ طبقہ جس کو "علما" کہا جاتا ہے بدقسمتی سے اس معاملہ میں اس کا حال بھی جدید تعلیم یافتہ طبقہ سے کچھ کم برا نہیں ہے۔ ان حضرات کے مطالعہ اور پڑھنے پڑھانے کی بھی ایک نہایت محدود دنیا ہوتی ہے اور وہ ساری عمر اسی حصار میں بند پڑے پڑے گذار دیتے ہیں۔ انھیں نہ اس کی خبر ہے کہ مصر میں علمی کاموں کی رفتار کیا ہے؟ ہندوستان میں تصنیفی ادارے کتنے ہیں اور وہ کیا کیا کام کر رہے ہیں؟ اور نہ انھیں اس کا احساس ہے کہ ان کے اسلاف کرام نے علمی تحقیق و تلاش کے سلسلہ میں جو عظیم الشان کارنامے انجام دیئے تھے اب ان کی وراثت علمی کے مالک ہونے کی بنا پر ان کا بھی فرض ہے کہ وہ اپنی چار دیواری سے باہر نکل کر علوم و فنون کی وسیع دنیا پر کچھ اور نہیں تو ایک طائرانہ نگاہ ہی ڈال لیں۔ مدارس عربیہ کے مروجہ علوم و فنون کے علاوہ کسی اور جدید علم سے اگر وہ آشنا ہونا نہیں چاہتے نہ ہوں۔ مگر یہ کیا غضب ہے کہ جو حماسہ، قاضی، صدرا اور شمس بازغہ کا مدرس ہے اسے ان کتابوں کے علاوہ دوسرے اسلامی علوم و فنون کی خبر ہی نہیں اور جو حماسہ، مقامات اور متنبی پڑھا رہا ہے اسے تاریخ۔ حدیث اور تفسیر سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

اس افسوسناک صورت حال کا نتیجہ ایک طرف تو یہ ہے کہ ہمارے بڑے سے بڑے تعلیم یافتہ حضرات میں بھی وہ عمیق نظر۔ سنجیدگی فکر اور متانت رائے نہیں پائی جاتی جو ان میں بتمام و کمال ہونی چاہئے تھی اور دوسری جانب اس کا اثر یہ ہے کہ جو لوگ اپنی زندگیوں کا راحت و آرام قربان کر کے کوئی ٹھوس علمی۔ دینی کام کرتے ہیں انھیں قدم قدم پر بڑی مشکلیں پیش آتی ہیں۔ حوصلہ افزائی نہ ہونے کے باعث بڑی بڑی رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں اور انھیں اس پر

قابو پانے کے لئے بڑے ہی صبر و استقلال سے کام لینا پڑتا ہے جو لوگ کم ہمت ہوتے ہیں وہ آغازِ سفر میں ہی جی چھوڑ بیٹھتے ہیں مگر جن کی نیتوں میں خلوص۔ ارادوں میں پختگی اور عزائم میں استقامت ہوتی ہے وہ اپنا سفر برابر جاری رکھتے ہیں۔ پھر توفیقِ خداوندی بھی ان کی دستگیری میں تاخیر نہیں کرتی۔ اور وہ مشکلات و صعوبات سے گذرتے ہوئے منزلِ مقصود کی طرف قدم بڑھائے چلے جاتے ہیں۔

اب سے چار سال قبل جب توکلاً علی اللہ ندوۃ المصنفین کی بنیاد ڈالی گئی تھی۔ ہم اربابِ بزم کی افسردگیِ طبع اور خوئے بیگانہ وشی سے بے خبر نہیں تھے۔ ہم اچھی طرح جانتے تھے کہ کتنے ہی اہلِ دل ہیں جو محفل میں پرسشِ احوال نہ ہونے کے باعث اپنی متاعِ غم نہاں سنبھالے ہوئے کسی گوشہ میں عزلت گزیں ہو چکے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ہمیں ایک کام کرنا تھا اور ہم نے اس کی بنیاد رکھدی۔ ابھی پورا ایک سال بھی نہ گذرا تھا کہ دنیا کی ہولناک ترین جنگ شروع ہوگئی۔ اس جنگ کی وجہ سے سخت سے سخت مشکلات پیش آتی رہیں لیکن ہم نے نہ اپنی وضع میں فرق آنے دیا اور نہ کبھی اپنے لبوں کو شناسا رفغاں کرکے اپنی خودداری کو رسوا کرنا گوارا کیا۔ خدا کے فضل و کرم سے اس کا اثر یہ ہوا کہ ہماری کتابوں کو ملک میں مقبولیت حاصل ہوئی اور ندوۃ المصنفین کے قدردانوں کا حلقہ وسعت پذیر ہوتا رہا چنانچہ قارئین کو یہ سنکر خوشی ہوگی کہ پہلے سال کی کتاب "اسلام کا اقتصادی نظام" کا پہلا ایڈیشن جلدہی ختم ہوگیا اور اب اس کا دوسرا ایڈیشن بھی شائع ہو چکا ہے یہ ایڈیشن بڑی تقطیع کے ۳۶۰ صفحات پر شائع کیا گیا ہے اور پہلے کے اعتبار سے اس کا حجم بہت بڑھ گیا ہے کتاب میں جا بجا اہم اور غیر معمولی اضافے کئے گئے ہیں۔ ترتیب بھی جدید ہے۔ ان اضافوں اور ترمیموں کے بعد کتاب کی حیثیت کہیں سے کہیں پہنچ گئی ہے، جن اصحاب کے پاس پہلا ایڈیشن موجود ہے وہ بھی اس کے مطالعہ سے مستغنی نہیں ہیں۔ اسی طرح "اسلام میں غلامی کی حقیقت" کا اسٹاک بھی قریب الختم ہے اس پر نظرِ ثانی ہو رہی ہے۔ امید ہے اس کا دوسرا ایڈیشن بھی جلدہی تیار ہوگا۔ اس کے علاوہ پہلے سال کی دوسری کتابیں بھی برائے نام ہی موجود ہیں۔ پرانی کتابوں کے نئے ایڈیشنوں کے علاوہ گذشتہ سنین کی طرح امسال بھی ادارہ کی طرف سے متعدد ضخیم کتابیں شائع ہو رہی ہیں جن میں کاغذ اور کتابت و طباعت کا وہی سابق معیار ملحوظ رکھا گیا ہے۔ وما توفیقنا الا باللہ العلی العظیم۔